© rasailojaraid.com

احمد ندیم قاسمی

اس خلوص کی قسم

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے انتقال کے ساتھ برصغیر پاک و ہند کی تحریک آزادی کا وہ زندگی افروز اور دلاویز باب ختم ہوگیا۔ جس میں آزادی کی خاطر جسمانی اور روحانی صعوبتیں سہنا عبادت کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا وجودِ گرامی اس مقدس جدوجہد کا مجسم نشان تھا۔ ان کے سیاسی مخالفین کو بھی ہمیشہ اس حقیقت کا اعتراف رہا کہ شاہ جی ہر قسم کی مصلحت اور نوعی مفاد سے قطعی طور پر بلند تھے ان کا خلوص اتنا بے داغ اور اتنا بے لوث تھا کہ ان کے انتقال کے صدیوں بعد بھی اس خلوص اور اس نیک نیتی کی قسم کھائی جاتی رہے گی تحریک آزادی کو شاہ جی کی شخصیت سے الگ کر کے دیکھا جائے تو اس میں اس دبدبے اور اس طنطنے اس حسن اظہار اور اس جمالِ مدعا کی شدید کمی پیدا ہوجاتی ہے جو شاہ جی مرحوم کی شخصیت کے نمایاں عنصر تھے۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم و مغفور مسلمانوں کی تحریک آزادی اور ان کے دینی شعور کی تاریخ کے ایک ایسے عظیم کردار تھے کہ محض بطور مثال اگر اس ایک کردار سے صرف نظر کرلیا جائے تو پوری تاریخ کی عمارت ڈولنے لگتی ہے۔ در اصل ہم عجیب و غریب ذاتی اور گروہی تعصبات میں مبتلا لوگ ہیں چنانچہ اپنی تاریخ ساز شخصیتوں کو بھی انہی تعصبات کے محدود دائروں میں رکھ کر پرکھتے ہیں اور اثبات کی بجائے نفی سے بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ ہماری یہ ذہنیت ہمارا بہت بڑا المیہ ہے۔ شاہ جی کی ہمہ گیر شخصیت کے ساتھ بھی ہم نے کچھ ایسا ہی رویہ روا رکھا ہے۔ ورنہ اپنے ہم وطنوں، خصوصا مسلمان ہم وطنوں کے ذہنوں میں انہوں نے برطانوی استعمار و استبداد کے خلاف جو غیر مشروط نفرت پیدا کی اور مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی حریت پسندانہ روایت کی جو مشعلیں انہوں نے روشن کیں وہ ہماری سیاست اور ہمارے دین و دانش کی وہ اقدار ہیں جنھوں نے ہماری شخصیتیں تعمیر کی ہیں اور ہمارے جذبوں اور امنگوں کی تربیت اور تہذیب کی ہے۔

تحریک پاکستان کا ساتھ نہ دینے والوں میں سے شاہ جی واحد شخصیت تھے جنھوں نے قیام پاکستان کے فورا بعد اپنی رائے کی شکست کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کرلیا۔ حق بات یہ ہے کہ اس طرح کے تاریخی اعترافات عظیم لوگ ہی کرسکتے ہیں۔ ورنہ دوسرے حضرات تو اپنے سابقہ طرز عمل کی تاویلیں ہی کرتے رہ جاتے ہیں اور نظریہ پاکستان کے دور حاضر کے ٹھیکیداروں کا طریق کار اب تک یہی ہے کہ تاویل کرتے ہیں اور تاویل نہ کرسکیں تو اپنی کتابوں سے پاکستان کی مخالفت میں لکھے گئے جملے حذف فرمادیتے ہیں۔

میری حیثیت ان کے ایک ادنی عقیدت مند کی ہے۔ ۱۹۳۳ء کے آس پاس کا ذکر ہے میں بہاول پور کے کالج میں طالب علم تھا۔ خبر گرم ہوئی کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نماز عشاء کے بعد مسجد جامع میں تقریر فرمائیں گے۔ طلبہ نے شاہ جی کی ساحرانہ خطابت کے قصے سن رکھے تھے چنانچہ ہم لوگ مسجد جامع پہنچے اور زندگی میں پہلی بار شاہ جی کی خطابت کے اعجاز سے متعارف ہوئے میں نے اس عمر میں ایسی مؤثر تقریر تو کیا سنی ہوگی، ایسی مؤثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریر بھی نہیں پڑھی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ الفاظ کا ایک لشکر ان کے سامنے دست بستہ حاضر ہے اور وہ ہر دلیل، ہر نکتے، ہر جذبے کے لئے ایسے مناسب الفاظ استعمال فرمارہے ہیں کہ بلاغت کے اصولوں کے مطابق اس سے زیادہ مناسب الفاظ کا تصور تک محال ہے۔ اس پر مستزاد ان کا انتخاب اشعار تھا کہ معلوم ہوتا تھا یہ شعر خاص اسی صورت حال کے لئے شاعر کے دل پر وارد ہوا تھا۔ آیات قرآنی کی قرأت کا انداز بھی منفرد تھا اور اشعار بھی وہ ایسے لحن سے ادا فرماتے تھے کہ خود شاعر بھی اپنا شعر شاہ جی کی لحن میں سنتا تو پکار اٹھتا کہ میرے شعر کو تخلیق کے بعد آج فن کی معراج نصیب ہوئی۔ شاہ جی کی یہ تقریر نصف شب کے بعد تک جاری رہی۔ پھر اچانک انہوں نے گھڑی دیکھی اور ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے یہ دعا بجائے خود فصاحت و بلاغت کا ایک شاہکار تھی۔ دوران دعا کسی نے عرض کیا کہ بارش کی بھی دعا فرمائیے۔ شاہ جی نے موسلادھار بارش کی دعا مانگی اور ابھی بارش کی یہ دعا ختم نہیں کرپائے تھے کہ مجمع میں سے کسی کی آواز آئی "قبلہ شاہ جی، ہمیں اتنی زیادہ بارش نہیں چاہیئے، ہم غریبوں کے گھر کچے ہیں" شاہ جی نے یہ سنا تو دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ گرادیئے اور اسلام میں اعتدال اور میانہ روی کے موضوع پر نئی تقریر کا سلسلہ شروع ہوا جو نماز فجر کی اذان تک جاری رہا اور اس تمام عرصے میں لوگ جوق در جوق آتے تو رہے لیکن اٹھ کر گیا ایک بھی نہیں اور جاتے بھی کیسے سب شاہ جی کی تقریر کی ساحرانہ گرفت میں تھے۔

اس کے بعد مجھے لاہور میں بیرون دلی دروازہ شاہ جی کی متعدد تقریریں سننے کا شرف حاصل ہوا اور جو بھی تقریر سنی، سابقہ تقریروں کے مقابلے میں بالکل نئی اور زیادہ مؤثر محسوس ہوئی۔ آج ان تقریروں کو یاد کرتا ہوں تو اپنا ہی ایک شعر میرے ذہن میں گونجنے لگتا ہے۔

جب بھی دیکھا ہے تجھے، عالم نو دیکھا ہے
مرحلہ طے نہ ہوا تیری شناسائی کا

میں نے بالمشافہ شناسائی کا یہ مرحلہ بھی طے کرنا چاہا اور ایک بار ملتان میں ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوا مگر جس شفقت سے شاہ جی نے میری پذیرائی فرمائی اور جس محبت سے انہوں نے مجھے سینے سے لگایا اور پھر جس عالی ظرفی سے انہوں نے مجھے خود میرے ہی اشعار سنانے شروع کئے کہ آبدیدہ بھی ہوجاتے تھے، داد بھی دیتے جاتے تھے اور میرے حق میں دعا بھی فرماتے جاتے تھے، تو مجھے محسوس ہوا کہ شاہ جی تو مجھ سے مدتوں سے متعارف ہیں اور اپنے فن کے بارے میں خود مجھے اتنی معلومات حاصل نہیں جتنی ہماری تاریخ کی اس عظیم شخصیت کو حاصل ہیں دراصل یہ بالواسطہ اظہار تھا اس حقیقت کا کہ ہمارے بڑے جب اپنے سے بہت چھوٹوں کو بھی بڑا بنا کر پیش کرتے ہیں تو یہ ان بڑوں کی فراخ دلی اور وسیع النظری بھی ہوتی ہے اور جوہر قابل کی حوصلہ افزائی بھی کہ یہ سلسلہ رک نہ جائے، آگے بڑھتا جائے۔ میں نے اپنے ارباب سیاست اور زعمائے دین میں شاہ جی سے بڑا شعر شناس کبھی نہیں دیکھا۔

ذاتی طور پر مجھے ان کی ہمہ جہت شخصیت کے اس ایک پہلو سے بے پناہ عقیدت تھی یہ پہلو ان کی تقریروں کی روانی اور ان کے بیان کی لطافت کی صورت میں نمایاں ضرور ہوتا ہے۔ جبکہ شاہ جی سیاسیات سے ہٹ کر صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعروسخن کی طرف متوجہ ہوتے تھے اگر ایک بہت بڑا شاعر ہونا بہت بڑی سعادت ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا شعر شناس ہونا بھی کم سعادت نہیں ہے اور شاہ جی اتنے بڑے شعر شناس تھے کہ شاعر کی نفسیات کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے اور شعر کی داد ہمیشہ اس پہلو سے دیتے تھے جو خود شاعر کی نظر میں اس کی متاع عزیز ہوتا تھا۔ اچھا شعر ان کے دل میں ترازو ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں وہ سعدی و حافظ اور غالب و اقبال کے اشعار کو اپنی معجزہ کار تقریروں کی زینت بناتے تھے، وہیں ہم لوگوں کے اشعار کو یہ عزت بخشنے سے گریز نہیں فرماتے تھے۔ حالانکہ جب ہمیں یہ عزت دی گئی، تب ہماری حیثیت نومشق نوجوانوں سے زیادہ نہیں تھی۔ یہ شاہ جی کی بھرپور اور ہمہ اثر شخصیت کا ایک ایسا پہلو ہے جو انہیں ہماری دینی اور سیاسی تحریکوں کے علاوہ ہماری تہذیبی نشاۃ الثانیہ کا بھی ایک حامل کردار ثابت کرتا ہے۔

یوں ان کے انتقال سے صرف سیاست کی دنیا ہی نہیں لٹی بلکہ شعروسخن کی دنیا بھی اجڑ گئی وہ دلاویز حکایت یکایک ختم ہو گئی جو عرفی، غالب اور اقبال نے قائم کی تھی وہ رشتہ اچانک ٹوٹ گیا جس کے دم سے ہم ٹیپو سلطان شہید اور سید احمد شہید کی روحوں کو اپنا نگران سمجھتے تھے۔ خدا ہمیں شاہ جی کی عالی حوصلگی، جرأت مندی، صداقت پسندی اور بے باکی کے ساتھ ان کے حسن ذوق کی پیروی کرنے کی توفیق بخشے۔

باذوق قارئین کے مطالعہ کے لئے دینی، علمی، ادبی، تاریخی اور تحقیقی کتب

حقیقت خلافت و ملوکیت	علامہ محمود احمد عباسیؒ	100 روپے
خلافتِ معاویہؓ و یزید	علامہ محمود احمد عباسیؒ	100 روپے
تحقیق مزید بر خلافتِ معاویہؓ و یزید	//	100 روپے
نہج البلاغۃ تاریخ کی روشنی میں	//	15 روپے
تحقیق سید و سادات	//	100 روپے

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان۔

© rasailojaraid.com